POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 July 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 23-07-2024 • Price: 5/- • 1-14 August 2024 • Issue: 29,30 • Vol:83 یکم تا۱۴راگست ۲۰۲۴ء • شمارہ:۲۹، ۳۰ • جلد:۸۳

نوادراتِ شبلی

محمد الیاس الاعظمی

حلقۂ قدردانانِ شبلی میں یہ بات تعجب سے سنی جائے گی کہ ایک صدی کا عرصہ گزر جانے کے باوجود نوادراتِ شبلی کی دریافت و بازیافت کا سلسلہ جاری ہے۔ گذشتہ دنوں بیاض محمد عمر سے علامہ شبلی کی چار غیر مطبوعہ فارسی غزلیں ملی تھیں جنھیں 'بیانِ شبلی' حصۂ چہارم میں شائع کیا جاچکا ہے۔ اب نوادرِ شبلی میں ایک مکتوب اور ایک اور فارسی غزل دستیاب ہوئی ہے جسے حصۂ پنجم میں فخریہ شامل کیا جارہا ہے۔

علاوہ ازیں اس میں علامہ شبلی کے سفرنامۂ روم و مصر و شام پر علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا ایک قدیم تبصرہ بھی نوادرات کے ذیل میں درج کیا جارہا ہے جو پروفیسر ظفر احمد صدیقی کی کتاب 'شبلی شناسی کے اولین نقوش' میں شامل نہیں ہے۔

ایک نادر مکتوب

'دین سے ناواقف مسلمانوں کی مردم شماری'

1908 میں ہندستان کے مختلف شہروں میں ارتداد کے متعدد واقعات رونما ہوئے اور آریوں کی ریشہ دوانیوں کے اثر سے نومسلموں کے دوبارہ ہندو ہوجانے کی خبریں عام ہوئیں اور بہت سے افراد ارتداد کا شکار ہوگئے تھے۔ ان واقعات اور خبروں نے علامہ شبلی (1857-1914) کو تڑپا دیا اور وہ عرصے تک بے چین اور اس کے تدارک اور سدِّ باب کے لیے برابر فکر مند رہے۔ یہ سلسلہ 1912 اور اس کے بعد عرصے تک قائم رہا۔ اس کے لیے انھوں نے متعدد کوششیں کیں۔ بعض مقامات کا دورہ کیا اور ان علاقوں میں معتمد اشخاص، علما و فضلا اور سفرا بھیجے، اخبارات کے مدیروں کو خطوط اور مراسلات لکھے اور تمام مسلمانوں کو باخبر کرکے ایک تحریک چلانی چاہی مگر لوگوں کی عدمِ توجہی سے انھیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ ان سرگرمیوں کو وہ خود ناکافی خیال کرتے تھے۔ چناں چہ اس کے مستقل تدارک کے لیے انھوں نے مجلس اشاعتِ اسلام قائم کی اور ایک وسیع تر علمی و عملی منصوبہ تیار کیا۔ اس کی تفصیل 'حیاتِ شبلی' میں موجود ہے۔

اسی سلسلے میں علامہ شبلی دین سے ناواقف مسلمانوں کی مردم شماری کرانا چاہتے تھے تاکہ ان کی بنیادی تعلیم اور احکامِ اسلامی سے ان کی واقفیت کا انتظام کیا جاسکے، چناں چہ انھوں نے اس کا بھی ایک خاکہ تیار کیا اور اس کے ساتھ سفرا کو ان علاقوں میں بھیجا۔ ایک عرصے تک یہ کوشش جاری رہی۔ اس وقت علامہ شبلی نے 'برادرانِ اسلام' کے نام اخبارات کے مدیروں کو ایک خط لکھا تاکہ مسلمان اپنے اپنے علاقے کی آریوں کی سرگرمیوں سے مطلع کریں اور ان علاقوں میں واعظ اور مقررین بھیجے جائیں۔ اس نوع کا ایک خط علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ (مورخہ 24 جنوری 1912) میں شائع ہوا ہے۔ یہ نادر خط چوں کہ علامہ شبلی کے کسی مجموعۂ خطوط مکاتیبِ شبلی و مراسلات اور مکتوبات میں شامل نہیں ہے، اس لیے اس کی اشاعت ضروری معلوم ہوئی۔ خط یہ ہے:

'بخدمت برادرانِ اسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھ کو معلوم ہے کہ بہت سے ایسے قصبات و دیہات ہیں جہاں کے مسلمان اسلام کے احکام و فرائض سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا لباس اور وضع بلکہ نام تک ہندوؤں کے سے ہوتے ہیں۔ چوں کہ یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ چند اشخاص کو بطورِ انسپکٹر مقرر کرکے ان دیہات کا دورہ کیا جائے اور ان کی مردم شماری اور مفصل رپورٹ حاصل کی جائے اس لیے تمام برادرانِ اسلام کی خدمت میں گذارش ہے کہ ان کے ضلع میں اگر اس قسم کے دیہات ہوں تو وہ مجھ کو مطلع فرمائیں تاکہ ان سے مزید خط و کتابت اور انسپکٹر کے بھیجنے کا بندوبست کیا جائے۔ والسلام

شبلی نعمانی
ندوہ، لکھنؤ'

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، مورخہ 24 جنوری 1912)

ملّی دردمندی کے اس جذبۂ صادق کی مثال، ممکن ہے اس دور میں اور شخصیات کے یہاں بھی پائی جاتی ہوں، مگر آج آزادی کے دور میں اس کا تصور بھی محال معلوم ہوتا ہے۔

ایک نادر غزل

علامہ شبلی کا متنوع اردو فارسی کلام ان کے کلیات میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔ راقم نے اپنی کتاب 'آثارِ شبلی' سے 'بیانِ شبلی' تک اس کی نہ صرف نشان دہی کی ہے بلکہ تلاش کرکے شائع بھی کیا ہے۔ حال میں علامہ کی ایک فارسی غزل مولانا ظفر علی خاں کے ماہنامہ 'پنجاب ریویو' کرم آباد، لاہور (مئی جون 1911) سے ہاتھ آگئی ہے جو علامہ شبلی کے کلیات میں شامل نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی 'پنجاب ریویو' سے اک غزل ملی تھی اور وہ کلیات میں شامل نہیں تھی، جسے 'بیانِ شبلی' حصہ سوم میں نوادراتِ شبلی کے ضمن میں شائع کیا جاچکا ہے۔

غیر مدوّن نو دریافت غزل درج ذیل ہے:

گر تو امروز بہ سوے من شیدا آئی
شرط باشد کہ بہ فرمان دل ما آئی
رخ برا فروختہ و خوے زدہ و زمزمہ سنج
کاکل آشفتہ و مست مے و صہبا آئی
چنگ در دست و قدح بر کف، و زنار بدوش
و از دو گیسو، زدو سو، سلسلہ برپا آئی
یاد بادت کہ چساں آمدہ بودی شب دوش
باز خو اہم بہ ہماں شیوۂ زیبا آئی
نفسے چند بیا سائی و در نشۂ مے
باز بر خیزی و تا دامن دریا آئی
در خودآں نشۂ دو شینہ نداری در سر
ہم بر آں شیوۂ دو شینہ بعمدا آئی
تو بہ ہر شیوۂ و آئین کہ بیائی خوب است
خوب تر از ہمہ آن است کہ تنہا آئی
خوش بود ایں کہ دگر بارہ بیائی امروز
ورنہ بر گفتۂ خود باش، کہ فردا آئی
خوشے از لعل لب خویش بہ سویش بفرست
ورنہ شیدائے تو از جاں گزرتا آئی

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

شبلی ! از صومعہ تا میکدہ رہ نیست دراز
فرصت امروز نگہ دار کہ باما آئی

(پنجاب ریویو، مئی جون 1911، ص64)

اس فارسی غزل کے ملنے سے غیرمدون فارسی غزلوں کی تعداد نو ہوگئی ہے۔آئندہ اگر کوئی اہلِ علم کلیاتِ شبلی فارسی از سرِنو مرتب کرتا ہے اور اس کی ضرورت ہے تو یہ قیمتی غزلیں علامہ شبلی کی شاعری کے حسن میں اور اضافہ کریں گی۔

ایک مقطع

علامہ شبلی کی ایک فارسی غزل 'الندوہ' ستمبر 1911 میں شائع ہوئی ہے۔8 اشعار کی یہ غزل برگِ گل سے کلیاتِ فارسی میں نقل ہوئی ہے، مگر اس میں دو اشعار کا اضافہ ہے۔باوجود اس کے مقطع شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔مقطع یہ ہے:

سخن سرائے شبلی بہ ہیچ مے ارزد
بہ کشوری کہ سخن از قبول وطغرا ہست

(الندوہ، لکھنؤ، ستمبر 1911، ص4)

تعلیم

علوم مشرقی کی اصلاح وترقی کے لیے انگریزی حکومت نے ایک کمیٹی بنائی تھی۔علامہ شبلی اس کے ایک اہم رکن تھے۔جولائی 1911 میں شملہ میں اس کا اجلاس ہوا۔ علامہ شبلی اس میں شریک ہوئے۔ انگریزی میں اس کی جو روداد شائع ہوئی ہے اس میں انگریزی ہی میں علامہ شبلی کی ایک تحریر شامل ہے۔ظاہر ہے اسے اردو سے ترجمہ کرکے شامل کیا گیا ہوگا۔ وہ تحریر راقم کی مرتبہ کتاب 'نوادراتِ شبلی' میں شامل ہے۔افادیت کے پیشِ نظر اس نادر تحریر کا اردو ترجمہ درج کیا جارہا ہے:

'مشرقی تعلیم کی شاخوں کی آبیاری اور اصلاح ہندوستان میں ایک بہت ہی نازک مسئلہ ہے۔اور مجھے افسوس ہے کہ اب تک اس کو لاپروائی کے ساتھ دیکھا جاتا رہا ہے۔ڈاکٹر راس کی وضع کردہ اسکیم بہت مفید ہونے کے باوجود اس مسئلے کو مثبت طریقے سے حل نہیں کرتی۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کسی بھی دنیاوی فائدے کی عدم موجودگی کے باوجود بہت سارے ہندوستانی مشرقی تعلیم کے حصول میں گہری دلچسپی کے ساتھ کوشش کررہے ہیں، ایک خصوصیت جو بنیادی طور پر فلسفیوں کے ذریعے مشترک ہے۔ان حالات میں یہ صلاح دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے وجود کو مٹانے اور اس کی جگہ جدید نظامِ تعلیم لانے کے بجائے اس میں ایسی اصلاحات لائی جائیں تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد بنایا جاسکے اور اس طرح کے علوم حاصل کرنے کے شوقین لوگ بشمول مستشرقینِ یورپ ایک روشن ہیرے کے طور پر اپنی چمک کو دکھا سکیں۔

میری سرسری رائے میں درج ذیل تجاویز اہم معلوم ہوتی ہیں:

1-مشرقی اداروں میں ایسی اصلاحات اور ترقیات کا آغاز ہو جو ان کے لیے آسانی سے قابلِ قبول ہوں اور مداخلت کا خدشہ نہ پیدا کریں۔

2- حکومت کی طرف سے شمس العلماء وغیرہ کے القابات کا اس طرح استعمال کیا گیا ہے کہ مشرقی اسکالران کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، کیوں کہ وہ لوگ جو حقیقت میں اسکالر نہیں تھے انھیں ان سے نوازا گیا، اور بہت سے ایسے افراد جو واقعی اسکالر تھے اس نعمت سے محروم رہے۔ اگر مستقبل میں احتیاط سے اس طرح کے القابات سے نوازا جائے تو اس سے بھی مشرقی اسکالروں کی بڑی حوصلہ افزائی ہوگی۔

3- گہرائی سے سیکھنے والے مصنّفین کو ہر ماہ کچھ وظیفے کی اجازت دی جائے۔

4- ایسے لوگوں کے لیے ایک معقول انعام مقرر کیا جائے جو ادب یا تاریخ وغیرہ میں کوئی دریافت یا عمدہ تحقیق کرتے ہیں۔

5- مشرقی تعلیم میں اس طرح کی اصلاحات اور ترقی کے بعد کچھ امتحانات شروع کیے جائیں، جس سے وہ خدمت (سروس) کے اہل ہوسکیں۔

6- ایسے افراد کو کچھ انعامات یا وظیفے کی اجازت دی جائے گی جو سفر کے ذریعے ہندوستان یا ہندوستان سے باہر اپنے آپ کو تاریخی معلومات فراہم کرسکتے ہیں۔

7- ایسے مشرقی ادارے جہاں مجوزہ اصلاحات کو قبول کیا جائے انھیں امداد کی صورت میں الاؤنس کی اجازت دی جائے۔

(The Conference Of Orientalists Including Museums And Archeaology Conference Held At Shimla July 1911, pp.47 -48)

سفرنامۂ روم ومصروشام

علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں سرسید احمد خاں نے منشی محمود جان (دھارا، ضلع شولاپور) کا خط شائع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

'ہمارے مخدوم اور حقیقی قدرداں بزرگان قوم منشی محمود جان صاحب جو خط ہم کو شمس العلما مولوی محمد شبلی صاحب کے سفرنامہ کی نسبت لکھا ہے اس کو بجنسہٖ ذیل میں لکھتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ ایسے قدرداں قوم زیادہ پیدا ہوں اور ہمارے کالج کو ارض قدردانی ملا کرے۔

شمس العلما جناب شبلی النعمانی ہمارے قومی مدرسہ کے نامور وعزیز الوجود پروفیسر نے جس علمی اور اخلاقی بزرگی کا ثبوت دیا ہے وہ ہمارے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔

ایک غریب الوطن بے زور وزر آدمی جو ہندی نژاد بھی ہو، اسلامی ممالک میں ایسا احترام اس کے کمال کی دلیلِ بیّن ہے۔مسلمانانِ ہند کو اس کی ذات پر ناز کرنا چاہیے۔مجھے ان کا سفرنامہ پڑھ کے ایسی خوشی ہوئی اور میرے دل کی ایسی حالت ہوئی جس کے بیان کی نہ ضرورت ہے نہ الفاظ میں اس کے اظہار کی طاقت ہے۔میرا اعتقاد یہ ہے کہ رنج اور خوشی کا جو اظہار صرف لفظوں سے کیا جاتا ہے اس پر برزبان وزیر خاں والی نقل صادق آتی ہے۔اسی وجہ سے میں یقین کرتا ہوں کہ اگر بقدرِ طاقت اس چیز سے اظہارِ مسرت کا کیا جاوے جس کو حضور کی اصطلاحِ خاص میں ابیض نورانی کہتے ہیں تو خود مظہرِ مسرت کو سمجھنا چاہیے کہ جو خوشی اس کے دل میں پیدا ہوئی وہ سچی تھی اور مکرِ نفس نہ تھا، میں بطورِ اظہار اس مسرت کے جو مولانا موصوف کی علمی اور اخلاقی لیاقتوں کی شہرت کی وجہ سے مجھے ہوئی پچاس روپیہ کی ایک ناچیز رقم مدرسۃ العلوم کو نذر بھیجتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ جس فنڈ میں مولانا کے وہ پچاس روپیہ جمع ہوئے ہیں جو مولانا نے حصولِ خطاب شمس العلما کی خوشی میں نذرِ مدرسہ کیے ہیں اسی میں یہ پچاس بھی جمع کیے جاویں۔یا اگر اس سے بہتر کوئی مصرف حضور کے خیال میں ہو تو اس میں لگادیے جاویں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ مولانا کی عمر دراز ہو اور ان کی علمی و اخلاقی لیاقتوں سے ہماری مردہ انسانی قومیں پھر زندہ ہوں۔

کمترین محمود جان
از مقام دھارا، ضلع شولاپور

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
شائستہ منزل، 641، پورہ غلامی، عقب آواس وکاس،
اعظم گڑھ-276001، یوپی
E-mail: azmi408@gmail.com, Mob. 9838573645

حلقۂ قدردانانِ شبلی میں یہ بات تعجب سے سنی جائے گی کہ ایک صدی کا عرصہ گذر جانے کے باوجود نوادراتِ شبلی کی دریافت وبازیافت کا سلسلہ جاری ہے۔ گذشتہ دنوں بیاض محمدعمر سے علامہ شبلی کی چار غیر مطبوعہ فارسی غزلیں ملی تھیں جنھیں 'بیانِ شبلی' حصۂ چھارم میں شائع کیا جاچکا ہے۔ اب نوادرِ شبلی میں ایک مکتوب اور ایک اور فارسی غزل دستیاب ہوئی ہے جسے حصۂ پنجم میں فخریہ شامل کیا جارہا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں علامہ شبلی کے سفرنامۂ روم ومصروشام پر علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا ایک قدیم تبصرہ بھی نوادرات کے ذیل میں درج کیا جارہا ہے جو پروفیسر ظفر احمد صدیقی کی کتاب 'شبلی شناسی کے اولین نقوش' میں شامل نہیں ہے۔

اُردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر
رؤف پاریکھ
قیمت:300روپے

رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟
ڈاکٹر شمس بدایونی
قیمت:300روپے

غروبِ شہر کا وقت
اُسامہ صدیق
قیمت:900روپے

مسلم سلیم اپنی شخصیت وشاعری کے تناظر میں

عارف عزیز

مسلم سلیم بیدار مغز اور ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اُن کی 69 سالہ زندگی اِس کی گواہ ہے، جس میں انھوں نے شاعری، صحافت اور دیگر شعبوں میں اپنی شناخت قائم کی۔ انھیں ہم سیلف میڈ بھی کہہ سکتے ہیں، آج اُن کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا ہے کیوں کہ اُن کے دم سے شہر میں ادبی ہلچل جاری رہتی تھی، باہر سے آنے والے اہلِ قلم کا استقبال، مقامی فنکاروں کی حوصلہ افزائی، اُن کی تصانیف کا اجرا اُن کے مشاغل میں شامل تھے۔ انھوں نے 'کھوج خبر' ڈاٹ کوم نام سے جو پورٹل تیار کیا اُس میں بھی نامور ادیب وشعرا کی شاعری اور اُن کی شخصیات پر باتصویر مواد اَپ ڈیٹ کر دیا تھا، اِسی طرح اُن کی کتاب 'ادا۔ادا' بھی پسند کی گئی۔

میرا مسلم سلیم صاحب سے تعلق 1980 کے بعد استوار ہوا، جب وہ الٰہ آباد سے تعلیمی مراحل طے کر کے بھوپال آئے تو انعام لودھی صاحب کے وسیلے سے روزنامہ 'آفتابِ جدید' کے ادارتی عملے میں شامل ہوگئے۔ اُن کی اُردو اور انگریزی کی استعداد معیاری تھی، جلد ہی وہ اخبار کے عملے میں مناسب جگہ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ اُن کے شوق اور رغبت کے مختلف میدان اور سمتیں تھیں۔ شاعری اور صحافت کے ساتھ انھوں نے کیلی گرافی میں بھی طبع آزمائی کی۔ بھوپال میں رہائش کے ابتدائی زمانے میں یہ فکر اُن پر جنون کی حد تک طاری تھی کہ ہندستان میں نوری نستعلیق کی طرح اُردو کمپوزنگ کا سوفٹ ویئر تیار ہو جائے، اِسی مقصد کو بروے کار لانے کے لیے انھوں نے کتابت کی بھی مشق کی اور اُس وقت تک سرگرمِ عمل رہے جب تک کہ ہندستان میں اُردو کی کمپوزنگ کا باقاعدہ آغاز نہیں ہوگیا۔

'آفتاب جدید' سیٹھ دوارکا پرشاد اگروال کا اخبار تھا جو انھوں نے بھوپال سے ہندی روزنامہ 'بھاسکر' کی مقبولیت کے بعد شروع کیا تھا۔ مقامی اُردو حلقوں نے سیٹھ جی کے اِس اقدام کو اُردو کی خدمت سے تعبیر کر کے انھیں 'نول کشور ثانی' بھی کہنا شروع کر دیا تھا، اِس اخبار میں شعبۂ اشتہارات کو ادارتی عملے پر اہمیت حاصل تھی، مسلم سلیم کا اِس شعبے میں اثر ونفوذ ہوا تو جونیر ہونے کے باوجود اُن کی اہمیت میں اضافہ ہوگیا۔ میں نے بھی ادارتی شعبے میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ اشتہارات کے شعبے میں اپنا تعلق استوار کر رکھا تھا اور اڈیٹر سے زیادہ مشاہرہ مجھے ادا ہوتا تھا، تاہم میں نے اپنے مزاج کے مطابق اعتدال کا دامن تھامے رکھا اور اخبار کے سینئر ساتھیوں کو شکایت کا موقع نہیں دیا، لیکن مسلم سلیم تیز دوڑنے کے عادی تھے، جس نے انھیں نقصان پہنچایا اور اخبار کے بااثر ساتھی اُن کے خلاف ہو گئے تو انھیں 'آفتاب جدید' جیسا جدید وسائل سے آراستہ اخبار چھوڑنا پڑا، اِس کے بعد انھوں نے کئی دیگر کام کیے یہاں تک کہ 'آفتاب جدید' بند کر کے بھاسکر گروپ نے انگلش ڈیلی 'نیشنل میل' کی اشاعت شروع کی تو مسلم سلیم صاحب کو اِس میں کام کرنے کا موقع مل گیا اور وہ جلد ہی اڈیٹر راجن صاحب کے منظورِ نظر بن گئے لیکن یہ اخبار بھی جاری نہیں رہ سکا تو وہ بھاسکر ہندی میں کئی سال مختلف کام انجام دیتے رہے۔

ابتدائی زمانے میں انھوں نے چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھیں، لیکن مضامین لکھنے میں انھیں دل چسپی نہیں تھی۔ مشقِ سخن ضرور جاری رہی۔ بھوپال کے ادبی حلقوں میں شاعر کی حیثیت سے اُن کی شناخت کا ذریعہ ہفتہ روزہ 'ایاز'، اُس کا بھوپال نمبر اور دیگر تقریبات بنیں۔ ایسی ہی ایک تقریب باسط بھوپالی کی یاد میں بڑے پیمانے پر 'ایاز فورم' نے منعقد کی، اُس میں باسط بھوپالی کے مصرعۂ طرح 'جیسے اوراقِ گُل بکھر جائیں' پر انعامی مقابلے میں انھیں اوّل انعام ملا۔ 'ایاز' کے بھوپال نمبر میں بھوپال پر شائع اُن کی نظم کو بھی پسند کیا گیا، شروع سے اُن کے اشعار معیاری ہوا کرتے تھے۔ مسلم سلیم کے والد جو کشمیر نژاد اور بڑے شاعر تھے، رُباعیات اُن کا خاص میدان تھا، لاہور پاکستان سے خیام کی رُباعیوں کے اُردو ترجمے کا ضخیم مجموعہ بڑے اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ انھوں نے اپنے والد کی شاعری پر مجھ سے مضمون تحریر کرایا جو 'آفتاب جدید' میں شائع ہوا تھا۔ مسلم صاحب کے شعری سرمایے پر بھی میں نے مضمون لکھا جو بھوپال کے 28 شعرا پر میرے تنقیدی مضامین کے مجموعے 'قدر قیمت' میں شامل ہے۔

آخری زمانے میں مسلم سلیم پھر انگریزی صحافت میں آ گئے تھے، انھوں نے انگریزی کے نیشنل اخبار 'ہندوستان ٹائمز' کے بھوپال اڈیشن کو جوائن کر لیا اور انگریزی کے صحافی کی حیثیت سے اُن کی شناخت قائم ہو رہی تھی، لیکن اپنے مزاج کی وجہ سے اِسے چھوڑ کر وہ ایک دوسرے سرکاری ادارے 'مدھیہ پردیش جن سمپرک' میں کام کرنے لگے، اِسی زمانے میں انھوں نے امریکن ایمبسی کے لیے بھی ٹرانسلیشن کا کام کیا، کھوج خبر ڈاٹ کام پورٹل اُن کا ایک اور اہم مشغلہ تھا لیکن اتنے متنوع اور متضاد کام کرنے والے مسلم سلیم کی کسی ایک شعبے میں سوائے شاعری کے شناخت قائم نہیں ہو سکی تو اِس کی بنیادی وجہ اُن کا مزاجی عدمِ استقرار تھا، وہ نہایت سرعت کے ساتھ سوچتے اور اُس سے زیادہ برق رفتاری کے ساتھ کام کرنے کے عادی تھے جس سے انھیں نقصان پہنچتا رہا۔ میرے ساتھ اُن کا سلوک ہمیشہ رواداری پر مبنی رہا، لیکن اِس میں بھی نشیب وفراز جاری رہتا تھا۔ 'آفتاب جدید' میں ساتھ کام کرنے کے دور میں وہ اکثر میرے مضامین پر نظر ڈال لیا کرتے تھے اور اصلاح بھی کر دیتے تھے، میرے تنقیدی مضامین کا مجموعہ 'قدر و قیمت' مرتب ہوا تو

مسلم سلیم بیدار مغز اور ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اُن کی 69 سالہ زندگی اِس کی گواہ ہے، جس میں انھوں نے شاعری، صحافت اور دیگر شعبوں میں اپنی شناخت قائم کی۔ انھیں ہم سیلف میڈ بھی کہہ سکتے ہیں، آج اُن کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا ہے کیوں کہ اُن کے دم سے شہر میں ادبی ہلچل جاری رہتی تھی، باہر سے آنے والے اہلِ قلم کا استقبال، مقامی فنکاروں کی حوصلہ افزائی، اُن کی تصانیف کا اجرا اُن کے مشاغل میں شامل تھے۔

اشاعت سے پہلے میں نے انھیں پڑھنے کے لیے دیا اور اشاعت کے لیے اُن کی رائے بھی لی، انھوں نے اِس کی اشاعت پر پُرزور لہجے میں زور دیا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ اِس پر اپنی رائے رقم کر دیں لیکن مصروفیت کے باعث اِس میں تاخیر ہوئی تو میں نے اِسے شائع کر دیا، شاعری انھیں وراثت میں ملی تھی، اُردو نثر لکھنے میں بھی مہارت رکھتے تھے لیکن شاعری کے سوا ادب کی کسی دوسری صنف میں وہ مناسب توجہ نہیں دے سکے۔ حالاں کہ بیشتر اصناف میں انھیں دخل تھا، اُردو صحافی کی حیثیت سے بھی اُن کی شناخت اِس لیے قائم نہیں ہو سکی کہ 'آفتاب جدید' کے بعد وہ دوسرے شعبوں میں کام کرتے رہے۔ عمر کے آخری پڑاؤ پر ٹرانسلیشن (ترجمہ) پر انھوں نے توجہ دی لیکن پارہ صفت مزاج کے باعث کبھی 'جن سمپرک' تو کبھی 'امریکن ایمبسی' کے شعبۂ نشر واشاعت کے لیے کام کرتے رہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا وہ ایڈجسٹ کر کے چلنے کے عادی نہیں تھے لہٰذا گروہ بندی کے اس دور میں وہ اپنا واقعی مقام نہ حاصل کر سکے، اِس کا انھیں بھی احساس تھا اور اکثر گفتگو یا اشعار میں اِس کا ردِّ عمل سامنے آجاتا تھا۔

مسلم سلیم کی شاعری کا جہاں تک سوال ہے تو میں یہ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ جدید شعرا شکیب جلالی، ناصر کاظمی اور احمد فراز سے مختلف ہوتے ہوئے ان چاروں کا میدان ایک ہے۔ مسلم سلیم کے یہاں زبان کی وسیع تر برتاؤ کے ساتھ محاوروں کا سلیقہ سے استعمال ہوا ہے، وہ قدیم لفظیات کے ہی نہیں، نئے الفاظ کے بھی مزاج داں ہیں، اِس دعوے کے دلیل میں جو غزل میں پیش کر رہا ہوں، اُس میں اُردو شاعری کی قدیم و جدید روایات کے امتزاج کے ساتھ لب و لہجے کی انفرادیت، صوتی آہنگ اور عصری آگہی بیک وقت موجود ہیں:

خاموشی سے ہر رازِ نہاں کھول رہا ہے
وہ صرف تبسم کی زباں بول رہا ہے
تہذیب کی پوشاک سے جسموں کو سجا کر
بستی میں درندوں کا کوئی غول رہا ہے
وہ زیست کے پیالے میں کہیں زہر نہ بھر دے
کانوں میں جو آواز کا رس گھول رہا ہے
صیادو! مبارک ہو! چلو دام بچھاؤ
سینہ میں پرندہ کوئی پر تول رہا ہے
اُلفت بھی عجب شئے ہے کہ ہونٹوں کے علاوہ
اِس شوخ کا ہر عضوِ بدن بول رہا ہے

جدید شاعری کا جو عنصر مسلم سلیم کے یہاں نمایاں نظر آیا وہ علامتوں کا استعمال ہے اور اُس کی خوبی یہ ہے کہ وہ علامتوں کا تیر اندھیرے میں نہیں چلاتے بلکہ موزوں الفاظ استعمال کر کے اُسے جامعیت کے ساتھ وسعت عطا کر دیتے ہیں مثلاً:

کس دن بساطِ زیست پلٹ جائے کیا خبر
ہر مہرہ اپنے خانہ میں نامطمئن سا ہے

آج اپنے حالات پر عدمِ اطمینان ایک عام مسئلہ ہے، جس کا اظہار دوسرے شعرا کے یہاں بھی ہوا ہے لیکن ایک شاعر کے بیان اور قوتِ متخیّلہ کی آزمائش وہاں ہوتی ہے، جہاں شاعر عام سے بات کو ایسی فنکاری سے کہے کہ اُس کے متعدد پہلو سامنے آجائیں۔ ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

بہار کی اردو مشاورتی کمیٹی اور اردو اکادمی کی تشکیلِ نو کی جائے: شمائل نبی

پٹنہ (30 جولائی)۔حکومتِ بہار کے سابق وزیر اور اردو کونسل ہند کے صدر شمائل نبی اور کونسل کے ناظمِ اعلا اسلم جاوداں نے ایک مشترکہ بیان جاری کر کے طویل عرصے سے بہار اردو اکادمی اور اردو مشاورتی کمیٹی بہار کی تشکیلِ نو نہیں کیے جانے پر احتجاج کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دونوں ادارے بہار میں اردو کے فروغ اور تحفظ کے لیے بے حد ضروری ہیں۔حکومت نے ان دونوں اداروں کا ایک طویل عرصے سے تشکیلِ نو کا کام نہیں کر کے انھیں معطل کر رکھا ہے، جس کے سبب ان کی سطح سے ہونے والے فروغِ اردو اور فروغِ ادبِ اردو کا سارا کام ایک طویل مدت سے ٹھپ پڑا ہوا ہے اور بہار میں اردو زبان و ادب کا بڑا نقصان ہو رہا ہے اور اس کی وجہ سے بہار کی اردو آبادی میں بے چینی اور مایوسی پائی جا رہی ہے۔مشترکہ بیان میں کہا گیا ہے کہ بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو ہے اور موجودہ سرکار اردو کے بہی خواہ ہونے کا دعوا بھی کرتی ہے، اس کے باوجود پانچ اگست 2018 سے بہار اردو اکادمی اور نو اگست 2018 سے اردو مشاورتی کمیٹی بہار دونوں کی تشکیلِ نو نہیں کی گئی ہے۔ آخر مسلسل چھ برسوں کے طویل عرصے سے اردو کے ان دونوں اداروں کو نظر انداز کر کے اور معطل رکھ کر حکومت اردو آبادی کو کیا پیغام دینا چاہتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان چھ برسوں میں حکومت کو کئی بار عرض داشتیں دی گئیں، اردو تنظیموں نے مکتوب روانہ کر کے اور اخباری بیانات کے ذریعے درجنوں بار حکومت سے ان دونوں اداروں کی تشکیلِ نو کا مطالبہ کیا، مگر حکومت کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی ہے۔ واضح رہے کہ ہندی پرگتی سمیتی کی مدتِ کار ختم ہونے کے فوراً بعد ہی اس کی تشکیلِ نو کر دی گئی تھی۔ اردو کونسل کا سوال یہ ہے کہ آخر اردو زبان کے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیوں ہے اور اس کو مسلسل چھ برسوں سے کیوں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔کونسل کے ذمہ داروں نے مزید کہا ہے کہ بہار میں اردو ہر سطح پر نظر انداز کی جا رہی ہے۔ اپنے مکتوب نمبر 1099 مورخہ 15 مئی 2020 کے ذریعے محکمۂ تعلیم حکومتِ بہار نے اسکولوں میں اردو کی تدریس کے کام کو غیر یقینی بنا دیا ہے۔ مانک منڈل سے اردو ٹیچر کو ہٹا کر اردو ٹیچروں کی بحالی کے سلسلے کو مسدود کر دیا گیا ہے۔ اردو آبادی کے طلبہ و طالبات کو اردو کی کتابیں اور اردو سوال نامے نہیں ملتے ہیں۔ اردو اخباروں میں ہندی میں حکومت کے اشتہار شائع ہوتے ہیں۔معاون اردو مترجم کی بحالی کو چار برسوں سے التوا میں ڈال دیا گیا ہے۔

اسپیشل ٹی ای ٹی اردو کے کامیاب امیدواروں کو نا کام کر کے آٹھ برس سے اُن کے مستقبل کو تاریک کر دیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر بہار میں اردو کی صورتِ حال بہت سنگین ہے۔ شمائل نبی اور اسلم جاوداں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بہار اردو اکیڈمی، اردو مشاورتی کمیٹی کی جلد از جلد تشکیلِ نو کرے اور اردو کے سارے مسائل کو ترجیحی طور پر حل کرے۔

(قومی تنظیم۔پٹنہ)

معاون اردو مترجم کے امیدواروں کا بی ایس ایس سی کے سامنے مظاہرہ

پٹنہ (22 جولائی)۔ معاون اردو مترجم کے امیدواروں نے بی ایس ایس سی دفتر کا گھیراؤ کیا اور حکومت کے خلاف جم کر نعرہ بازی کی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک نعرے بازی اور مظاہرے کے بعد بی ایس ایس سی کے چیئر مین نے امیدواروں کے پانچ رکنی وفد سے بات چیت کی اور تین دنوں میں بی ایس ایس سی کی ویب سائٹ پر رزلٹ سے متعلق جانکاری اپ لوڈ کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ پی ٹی، مینس اور کاؤنسلنگ کے باوجود معاون اردو مترجم کا رزلٹ جاری نہ کیے جانے سے ناراض امیدوار پیر کو دس بجے دن سے ہی بی ایس ایس سی دفتر کے پاس پہنچنے لگے تھے۔سیکڑوں کی تعداد میں امیدواروں نے دفتر کا گھیراؤ شروع کر دیا۔ اس دوران انھوں نے بی ایس ایس سی اور حکومت کے خلاف نعرے بازی بھی کی۔ ان کا کہنا ہے کہ اب تک ہمیں صرف رزلٹ جاری کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔اس سے قبل جولائی میں رزلٹ جاری کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی تھی، لیکن اب جولائی بھی ختم ہونے والا ہے۔امیدواروں کا کہنا ہے کہ 10؍لاکھ روزگار دینے کا وعدہ کرنے والی حکومت پانچ سال میں معاون اردو مترجم کے 1200 امیدواروں کا رزلٹ جاری نہ کر سکی۔مظاہرین میں شامل ارشد رضا اور امانت اللہ کا کہنا ہے کہ 2019 میں معاون اردو مترجم کے تقریباً 1200؍عہدے کے لیے اشتہار جاری کیا گیا تھا۔اس کے تین مراحل پی ٹی، مینس اور کاؤنسلنگ سے گزرنے کے باوجود فائنل رزلٹ اب تک جاری نہیں کیا گیا۔ (انقلاب-دہلی)

ٹی جی ٹی اردو کے امتحان کی تیاری کے لیے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں مفت کوچنگ واورینٹیشن پروگرام کا آغاز

نئی دہلی (29 جولائی)۔اردو اکادمی دہلی کی جانب سے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک سے ٹی جی ٹی (اردو) کے امتحان کی تیاری کے لیے مفت کوچنگ و اورینٹیشن پروگرام کا انعقاد اکادمی برائے فروغ استعداد اردو میڈیم اساتذہ کے اوڈیٹوریم میں کیا گیا۔اس موقعے پر اکادمی برائے فروغِ استعداد اردو میڈیم اساتذہ کے اعزازی ڈائرکٹر پروفیسر شہزاد انجم نے کہا کہ ابھی آپ واقف نہیں ہیں کہ اس امتحان میں کس طرح کے سوالات ہوں گے اور ان کے کیا جوابات ہوں گے۔ آپ کی تیاری کے لیے ہم نے بہترین اساتذہ کا انتخاب کیا ہے تاکہ آپ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔اردو اکادمی دہلی کے سکریٹری محمد احسن عابد نے کہا کہ آپ کلاسوں میں مستقل شامل ہوں اور امتحان میں کامیاب ہو کر اچھے اساتذہ بنیں۔آپ کو امتحان کی تیاری کے لیے محنت اور صرف محنت کی ضرورت ہے۔اس سے قبل اکادمی کے اسسٹنٹ پبلی کیشن آفیسر محمد ہارون نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے تمام معزز مہمانان اور طلبہ کا خیر مقدم کیا اور اکادمی کی مختلف سطح پر اردو کی توسیع اور فروغ سے متعلق کارکردگی کی رپورٹ پیش کی اور کہا کہ آپ حضرات پابندیِ وقت کے ساتھ ان کوچنگ کلاسز میں شرکت کریں اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھا کر امتحان میں کامیابی حاصل کریں۔ یہ کلاسز 12 اگست 2024 تک صبح ساڑھے نو بجے تا دوپہر ڈھائی بجے جاری رہیں گی۔

(انقلاب-دہلی)

اردو میڈیم اسکول میں فزکس ٹیچر کا تقرر کیا جائے

عادل آباد (23 جولائی)۔ عادل آباد کے وارڈ نمبر 26 کے گورنمنٹ اردو ہائی اسکول قلعہ کے سابق چیئر مین احمد خان نے ضلع مہتمم تعلیمات عادل آباد پرنیتا سے ملاقات کرتے ہوئے انھیں ایک یادداشت حوالے کی۔ احمد خان نے ضلع مہتمم تعلیمات کو بتایا کہ گورنمنٹ اردو ہائی اسکول قلعہ میں 280 مستحق طلبہ و طالبات زیرِ تعلیم ہیں، تاہم گذشتہ تین سالوں سے اسکول میں فزکس ٹیچر نہ ہونے کی وجہ سے طلبا و طالبات کو تعلیمی مسائل کا سامنا ہے۔احمد خان نے ضلع مہتمم تعلیمات پرنیتا پر زور دیتے ہوئے کہا کہ جلد از جلد گورنمنٹ اردو ہائی اسکول قلعہ میں فزکس ٹیچر کا تقرر کیا جائے بصورتِ دیگر ضلع کلکٹر سے اس سلسلے میں شکایت درج کی جائے گی۔ضلع مہتمم تعلیمات نے احمد خان کی یادداشت کو بغور سماعت کے بعد اس سلسلے میں جلد اقدام کرنے کا یقین دلایا۔

(سیاست-حیدرآباد)

راجستھان کے کالجوں میں اساتذہ کی خالی اسامیاں جلد پُر کی جائیں گی

جے پور (12 جولائی)۔راجستھان کے نائب وزیرِ اعلا اور اعلا تعلیم کے وزیر ڈاکٹر پریم چند بیروا نے اسمبلی کو یقین دلایا کہ ریاست کے سرکاری کالجوں میں اساتذہ کی خالی اسامیوں کو جلد ہی بھر دیا جائے گا۔ڈاکٹر بیروا وقفۂ سوالات کے دوران اس سلسلے میں رکنِ اسمبلی کی جانب سے پوچھے گئے ضمنی سوالات کا جواب دے رہے تھے۔انھوں نے کہا کہ ایک ہزار 936 اسامیوں پر جلد بھرتیاں کی جا رہی ہیں اور آئندہ دو سے تین ماہ میں خالی اسامیوں پر تقرریاں کر دی جائیں گی۔ انھوں نے کہا کہ ریاستی حکومت کی جانب سے ودیا سنبل یوجنا کے تحت بھی جلد ہی بھرتی کی جائے گی تاکہ اساتذہ کی کمی کو پورا کیا جا سکے۔ انھوں نے اسمبلی میں یقین دلایا کہ ریاست کے سرکاری کالجوں میں لائبریرین اور فزیکل انسٹرکٹر کا کم از کم ایک عہدہ پُر کیا جائے گا۔انھوں نے مزید بتایا کہ لائبریرین کی 247 اور فزیکل ٹریننگ انسٹرکٹر کی 247 اسامیوں کے لیے بھرتی امتحان کا انعقاد کیا گیا ہے۔منتخب امیدواروں کے دستیاب ہونے پر خالی اسامیوں کو قواعد کے مطابق پُر کیا جا سکتا ہے۔

(اردو ٹائمز۔ممبئی)

اردو اساتذہ سے انصاف کرنے کلکٹر رنگا ریڈی سے بیرسٹر اویسی کی نمائندگی

ڈی ای او کو طلب کر کے ازسرِ نو لسٹ تیار کرنے کی ہدایت

حیدرآباد (2 جولائی)۔ بیرسٹر اسدالدین اویسی (رکن پارلیمنٹ حیدرآباد) نے ضلع کلکٹر رنگا ریڈی کے ششانک سے نمائندگی کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اردو میڈیم اساتذہ کے ترقی اور تبادلوں میں سینئرٹی لسٹ کے اعتبار سے انصاف کیا جائے۔ واضح رہے کہ اردو میڈیم کے اساتذہ نے بیرسٹر اسدالدین اویسی سے نمائندگی کی تھی کہ ان کے ساتھ ناانصافی کی جا رہی ہے۔اردو اساتذہ کے پروموشن اور تبادلوں کے بارے میں ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔اس پر بیرسٹر اویسی نے کلکٹر رنگا ریڈی ششانک سے بات کرتے ہوئے انصاف کرنے کا مطالبہ کیا اور مجلس کے رکن کونسل جناب مرزا رحمت بیگ قادری کو اردو اساتذہ کے ہمراہ کلکٹر رنگا ریڈی کے پاس روانہ کیا جہاں انھیں تحریری نمائندگی بھی دی گئی اور بتایا گیا کہ کس طرح سے اردو اساتذہ کے ساتھ ناانصافی کی جا رہی ہے۔تلگو میڈیم کے اساتذہ کو اسکول اسسٹنٹ، بائیو سائنس اردو میڈیم میں روانہ کیا جا رہا ہے جب کہ نہ وہ اردو جانتے ہیں اور نہ ہی اردو میڈیم سے ان کا تعلق ہے۔اسکول اسسٹنٹ کی اسامیوں پر اردو میڈیم میں اردو اساتذہ کا ہی تقرر کیا جائے لیکن اردو میڈیم کے اساتذہ کو محروم کیا جا رہا ہے۔کلکٹر کو دیگر تفصیلات حوالے کرتے ہوئے اردو میڈیم کی تمام اسامیوں کو اردو کے اساتذہ سے ہی پُر کرنے کے لیے نمائندگی کی گئی۔اس پر کلکٹر رنگا ریڈی نے ڈی ای او رنگا ریڈی کو فوری طلب کر لیا اور تمام اساتذہ کے ساتھ انصاف کرنے اور تیار شدہ فہرست کو روکتے ہوئے ازسرِ نو سینئرٹی لسٹ کے مطابق ترقی و تبادلے کے احکام جاری کرنے کی ہدایت دی۔اس پر اردو اساتذہ نے بیرسٹر اویسی کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے پارلیمنٹ سیشن کے جاری رہنے کے باوجود کلکٹر رنگا ریڈی سے بات کی اور ان کے مسئلے کو حل کیا۔ (اعتماد-حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو (ہند) جھارکھنڈ کی اردو کے مسائل کے حل کے لیے کوششیں جاری

رانچی (پریس ریلیز)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) جھارکھنڈ کا ایک وفد 20 جولائی 2024 کو اردو مسائل کے حل کے سلسلے میں کانگریس ریاستی اقلیتی سیل کے انچارج عمیر خان سے ملا اور اردو کے تعلق سے سات نکاتی میمورنڈم ان کے سپرد کیا جس میں اردو اکادمی کے قیام سمیت اسکولوں، کالجوں میں خالی اردو یونٹ کو پُر کرنا، جہاں اردو پڑھنے والے بچے/بچیوں کی تعداد 10 یا اس سے زائد ہے، وہاں اردو یونٹ کی تشکیل کو یقینی بنانا، دوسری سرکاری زبان بننے کے بعد اردو کو جائز مقام دیا جانا اور اردو کے فروغ و ترویج کے لیے سرکاری اسکولوں وغیرہ میں سروے کا اہتمام کرنا اور مئی 2024 میں جاری مجوزہ سروے کے غیر آئینی اقدام کو واپس لیا جائے جس میں اردو کو سروے کی فہرست سے قصداً ہٹا دیا گیا ہے، وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ جھارکھنڈ کے 512 پلس ٹو اسکولوں میں اردو یونٹ کی عدمِ موجودگی کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس پر تقرری کرنے کی مانگ کی گئی۔ نصاب میں اردو کتابوں کی فراہمی کی بات بھی کہی گئی ہے۔ انچارج کانگریس مائنارٹی سیل جھارکھنڈ نے سنجیدگی سے وفد کی بات سنی اور اپنے ہائی کمانڈ تک پہنچانے کی یقین دہانی کرائی۔ انھوں نے اس بات کی بھی یقین دہانی کرائی کہ ہم لوگ اردو کو اس کا جائز مقام دلوائیں گے۔ ہمارے وفد کو عمران پرتاپ گڑھی (رکن راجیہ سبھا) سے ملنے کا وقت دیا گیا تھا لیکن کسی سبب ان کی فلائٹ کینسل ہوگئی اور ان کی غیر موجودگی میں انچارج کانگریس مائنارٹی سیل جھارکھنڈ سے مل کر میمورنڈم دیا گیا۔ اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے انجمن کا وفد کانگریس کے ریاستی صدر، مکتی مورچہ کے جنرل سکریٹری، لیفٹ پارٹیوں کے سکریٹری سے مل کر اردو کے مسائل سے انھیں جلد روبرو کرائے گا۔ وفد کی قیادت ایم زیڈ خان، مرکزی نمائندہ انجمن ترقی اردو (ہند) جھارکھنڈ نے کی۔

دس رکنی وفد میں ایم زیڈ خان کے علاوہ اقبال احمد، یاسمین لال، محمد محسن سعیدی، محمد الیاس، سمیر احمد، سیّد مفتاح العارفین رضوی (دھنباد)، ایس ایس اے رضوی (جمشید پور)، کریم انصاری، نیاز اللہ اور زین العابدین (دھنباد) شامل تھے۔

مانک منڈل میں ایک اردو ٹیچر کا اضافہ ہی مسئلے کا واحد حل ہے

پٹنہ۔ (13 جولائی) سابق وزیر حکومتِ بہار اور اردو کونسل ہند کے صدر شمائل نبی اور ناظمِ اعلا اسلم جاوداں نے ایک مشترکہ اخباری بیان جاری کرکے محکمۂ تعلیم حکومتِ بہار سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ میٹرک اور ہائر سکنڈری کے نصاب میں اردو کو لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کرے، ہر اسکول میں دوسری سرکاری زبان اردو کی تدریس کو یقینی بنانے کے لیے مانک منڈل میں ایک اردو ٹیچر کا بطورِ خاص اضافہ کرے اور نتیش حکومت اپنے وعدے کے مطابق ہر اسکول میں ایک اردو ٹیچر بحال کرے۔ مشترکہ بیان میں کہا گیا ہے کہ محکمۂ تعلیم نے اپنے مکتوب نمبر 1099 مورخہ 15 مئی 2020 کے ذریعے اسکولوں میں اردو کی لازمیت کو ختم کرکے اسے اختیاری بنا دیا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ زبانوں کے انتخاب کے لیے جو گروپ بنائے گئے ہیں، وہ اس طرح ہیں کہ اگر کوئی اردو سبجکیٹ لیتا ہے تو وہ ہندی نہیں پڑھ سکتا۔ حالاں کہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ لازمی پرچے میں مادری زبان (اردو، ہندی، انگریزاور بنگلہ وغیرہ) کو جگہ دینی چاہیے اور دوسرے گروپ میں کسی دو زبان کو چننے کا اختیار دینا چاہیے جس میں اردو، ہندی، انگریزی، بنگلہ، عربی اور فارسی وغیرہ زبانوں کو جگہ دینی چاہیے۔ اس طرح کوئی بھی طالبِ علم اپنی مادری زبان کے ساتھ مزید دو زبان پڑھ سکے گا۔ اور اردو والے اردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کر سکیں گے اور اگر ہندی والے چاہیں گے تو وہ بھی اردو پڑھ سکیں گے۔ اس طرح ریاست میں دوسری سرکاری زبان اردو کا فروغ اور اس کے پڑھنے کا چلن عام ہو سکے گا۔ اسلم جاوداں نے بتایا کہ میٹرک میں اردو کے لازمی نہیں رہنے اور اردو لینے پر ہندی کو چھوڑ دینے کی حالت میں آج اسکول کے طلبہ و طالبات اپنی مادری زبان اردو کو چھوڑ کر دوسرا سبجکیٹ اختیار کر رہے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہر اسکول میں اردو کا ایک ٹیچر نہیں رہنے کے سبب بھی اردو آبادی کے بچے اپنی مادری زبان کی تعلیم سے محروم ہیں جو قومی تعلیمی پالیسی کے خلاف ہے۔ واضح رہے کہ نتیش حکومت نے کئی بار واضح لفظوں میں اعلان کیا ہے کہ وہ ہر اسکول میں ایک اردو ٹیچر بحال کرے گی۔ (قومی تنظیم-پٹنہ)

اردو میڈیم اسکولوں کے مسائل کی یکسوئی کے لیے ریاستی وزیر پونم پربھاکر سے نمائندگی

کریم نگر (3 جولائی)۔ ریاستی وزیرِ ٹرانسپورٹ پونم پربھاکر کے کریم نگر دورے کے موقعے پر تلنگانہ اسٹیٹ اردو ٹرینڈ ٹیچرس ایسوسی ایشن کے ذمہ داران کا ایک وفد آر اینڈ بی گیسٹ ہاؤس کریم نگر میں ملاقات کرتے ہوئے اردو میڈیم کے اسکولوں کے مسائل کی یکسوئی کے لیے یادداشت پیش کی، جس میں خاص طور پر تعلیمی سال 25-2024 کے لیے جلد از جلد ودیا والینٹیئر کا تقرر اور اردو میڈیم کی خالی اسامیوں کو خصوصی ڈی ایس سی کے ذریعے پُر کرنے کا مطالبہ کیا گیا جس پر ریاستی وزیر نے یادداشت پر اپنی مہر ثبت کرتے ہوئے ضلع کلکٹر کریم نگر کو ہدایت دی کہ وہ فی الفوران مسائل کو حل کریں اور ساتھ ہی ساتھ ریاستی وزیر نے وفد کو اردو میڈیم کے تمام مسائل کو جلد از جلد حل کروانے کا تیقن دیا۔ (سیاست-حیدرآباد)

سرکاری دفتروں اور اسپتالوں کے سائن بورڈس پر اردو نظر انداز

نرمل (5 جولائی)۔ رشید عالم الحفیظی (فاؤنڈر و چیئرمین ملت فاؤنڈیشن) نے اپنا ایک صحافتی بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ ریاست تلنگانہ میں اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے لیکن عمل ندارد ہے اور اردو زبان کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سیاسی جماعت چاہے وہ بی آر ایس ہو یا پھر کانگریس ہو اقتدار میں آتے ہی اقلیتوں اور اردو زبان کے تئیں اپنا رویّہ بدلنا شروع کر دیتی ہیں سابق میں بی آر ایس نے اقتدار میں رہتے ہوئے اردو زبان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور اب ریاست تلنگانہ میں برسرِ اقتدار کانگریس حکومت بھی اردو زبان کے ساتھ انصاف کرنے سے گریز کر رہی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ نرمل ضلع مستقر میں واقع ڈسٹرکٹ ایریا اسپتال نرمل کے باب الداخلہ کے سائن بورڈ پر اسپتال کا نام انگریزی اور تلگو زبان میں تحریر کیا گیا لیکن یہاں پر اردو زبان کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ایک رپورٹ کے مطابق ضلع میں اکثر سرکاری دفتروں کے سائن بورڈوں پر اردو زبان تحریر نہ کرتے ہوئے اردو زبان کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے متعلقہ عہدیداروں سے پرزور مطالبہ کیا کہ گورنمنٹ ڈسٹرکٹ ایریا ہاسپٹل کے علاوہ دیگر تمام محکموں میں جہاں سائن بورڈ اردو زبان میں تحریر نہیں ہیں وہاں کے سائن بورڈوں پر اردو زبان بھی تحریر کی جائے۔ انھوں نے نرمل کے اردو صحافیوں، اردو تنظیموں کے ذمہ داروں اور محبانِ اردو سے اپیل کی کہ وہ اردو کی ترقی و ترویج اور بقا کے لیے آگے آئیں۔

(اعتماد-حیدرآباد)

اردو میڈیم اسکولوں میں تقرری کے لیے نمائندگی

نظام آباد (8 جولائی)۔ اے وی نرسمہا ریڈی جنھوں نے حال ہی میں بحیثیت ڈائرکٹر آف اسکول ایجوکیشن چارج لیا۔ تلنگانہ مائنارٹیز ایمپلائز سروس ایسوسی ایشن (TSMESA) کا ایک وفد جس میں بانی و صدر ایم اے فاروق، اعزازی صدر خواجہ معین الدین اور یونس جنرل سکریٹری اردو آفیسرس یونٹ اور کارگزار صدر اعجاز الدین شامل تھے، انھیں گلدستہ پیش کرتے ہوئے تہنیت پیش کی اور اساتذہ کے مسائل کی یکسوئی کے لیے ایک یادداشت بھی پیش کی جس میں خاص طور پر حال ہی میں تبادلہ ہوئے تمام اردو اساتذہ کو Relive کرنا، ان کی جگہ پر ودیا والینٹرس کا تقرر کرنا، ایس سی ایس ٹی کے لیے مختص کردہ اسامیوں کو Dereserve کرتے ہوئے SGT کو ترقی دینا اور Upgrade سرکاری اسکولوں میں مضمون واری اساتذہ کی اسامیوں کی منظوری و تقرری اور جی او 317 کے متاثرہ اساتذہ کو ان کے آبائی اضلاع پر تعینات کرنا، ان کے علاوہ اسکول ایجوکیشن محکمے میں برسرِ خدمت ملازمین کے مسائل کی یکسوئی کرنا شامل تھا۔ ڈائرکٹر موصوف نے ان تمام مسائل کی یکسوئی کا یقین دلایا۔ (سیاست-حیدرآباد)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

سلیمان خمار

بیجاپور۔ جدید لب و لہجے کے ممتاز شاعر سلیمان خمار 5 اگست 2024 کی دوپہر طویل علالت کے بعد راہیِ ملکِ عدم ہوگئے۔ اُن کی رحلت صرف بیجاپور یا ریاست کرناٹک کا نہیں، پوری اُردو دنیا کا نقصان ہے۔ زبان و بیان پر اُن کی قدرت اور شعر کہنے کی خداداد صلاحیت نے انھیں وہ شہرت عطا کی تھی کہ جس نے سلیمان خمار کو نہیں دیکھا، وہ بھی جانتا تھا کہ یہ ایک اچھے شاعر کا نام ہے۔ وہ نہایت کمزور ہوگئے تھے مگر علم وادب سے اُن کا گہرا رشتہ آخری سانس تک جاری رہا۔ انتقال کے وقت اُن کی عمر 80 برس تھی۔ مرحوم کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ اُن کی تصانیف میں مجموعۂ کلام 'تیسرا سفر' اور 'سمندر جاگتا ہے' شامل ہیں۔

سلیمان خمار کی شناخت کا ایک ذریعہ اُن کا حمدیہ اور نعتیہ کلام بھی ہے جن کے مطالعے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ ڈوب کر کہتے تھے اور اس کوشش میں لب و لہجے کی ندرت کو برقرار رکھتے تھے۔ مرحوم سلیمان خمار کی تدفین درگاہ حضرت مرتضٰی قادری قبرستان میں بعد نمازِ عشا عمل میں آئی۔

صالح بن تابش

ممبئی۔ مالیگاؤں کے مشہور شاعر صالح بن تابش 29 جولائی 2024 کو طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ یہ اطلاع ہمیں ندیم صدیقی نے دی ہے۔

صالح بن تابش یکم مارچ 1945 کو پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے مالیگاؤں کے ایک میونسپل اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور 'مالیگاؤں ہائی اسکول' سے ایس ایس سی کا امتحان پاس کیا، پھر 1963 میں انھوں نے درس و تدریس کا علَم ہاتھ میں تھاما اور ایک فرض شناس مدرس کے طور پر اپنا تشخص بنایا۔ ان کے والد قاری محمد نذیر تابش مشاق شاعر کے طور پر اپنے دیار میں ممتاز تھے۔ ان کی نعتوں کی ایک کتاب 'متاعِ تابش' شائع ہو چکی ہے۔

واضح ہو کہ صالح بن تابش جب ساتویں درجے کے طالبِ علم تھے تو انھوں نے پہلا شعر کہا۔ قاری نذیر تابش مرحوم کی شعری روایت ان کی تیسری نسل تک پہنچی، یعنی صالح مرحوم کے فرزند شہروز خاور بھی ایک شاعر کی حیثیت سے مالیگاؤں میں معروف ہیں۔ 2021 میں صالح بن تابش کا شعری مجموعہ 'اندر کا موسم' منظرِ عام پر آکر داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں بیوہ کے علاوہ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **معیار و میزان**
(رشید حسن خاں کی کتابوں پر تبصرے اور تجزیے)
مرتّب : ابراہیم افسر
ضخامت : 496 صفحات
قیمت : 650 روپے
ناشر : اصیلا آفسیٹ پرنٹرس، کلاں محل، دریا گنج، دہلی-110002
تبصرہ نگار : اسامہ ارشاد معروفی قاسمی

رشید حسن خاں کی شخصیت تحقیق و تدوین کی دنیا میں ایک بہت ہی مضبوط اور معتبر حوالہ ہے۔ بقولِ ڈاکٹر اسلم پرویز 'اُردو کے برگزیدہ اور نام ور محقق پروفیسر گیان چند جین نے رشید حسن خاں کو خدائے تدوین کہا ہے۔ پچھلے چالیس برسوں کے اپنے ادبی سفر میں رشید حسن خاں نے پہلے پہل اپنی شناخت ایک محقق کی حیثیت سے بنائی تھی لیکن آگے چل کر انھوں نے تدوین کو اپنا خصوصی میدان بنالیا جو ایک اعتبار سے تحقیق سے آگے کی چیز ہے۔ ہمارے ہاں تحقیق اور تدوین کے کام سے وابستہ جو لوگ ہیں ان میں عام طور پر دو طرح کے اسکالر ہیں ایک وہ جنھوں نے تحقیق و تنقید کے اصول وضوابط سے متعلق کچھ لکھا ہے اور دوسرے وہ جو عملی طور پر تحقیق اور تدوین سے متعلق کام انجام دیتے رہے ہیں۔ یہاں بھی عموماً کچھ لوگوں کی سرگرمیاں تحقیق اور کچھ لوگوں کی تدوین تک محدود رہی ہیں۔ رشید حسن خاں اُردو کے ان معدودے چند اسکالروں میں ہیں جنھوں نے ایک طرف تو تحقیق و تدوین کے اصول وضوابط پر انتہائی معیاری مضامین اور کتابیں لکھی ہیں اور دوسری طرف انھوں نے اعلا پایے کی تحقیق اور تدوین کے نمونے بھی ہمارے سامنے پیش کیے ہیں۔

ڈاکٹر ابراہیم افسر کے بقول رشید حسن خاں نے 37 کتابیں تدوین وتصنیف کی ہیں جو کہ معتبر حوالے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی تفصیل اس طرح ہیں: (۱) حیاتِ سعدی (۲) انتخابِ نظیر اکبرآبادی (۳) مقدمۂ شعر وشاعری (۴) موازنۂ انیس و دبیر (۵) گذشتہ لکھنؤ (۶) انتخابِ مضامینِ شبلی (۷) انتخابِ مراثیِ انیس و دبیر (۸) دیوانِ درد (۹) انتخابِ سودا (۱۰) انتخابِ ناسخ (۱۱) اردو املا (۲۱) اردو کیسے لکھیں (۱۳) زبان اور قواعد (۱۴) ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ (۱۵) دیوانِ حالی (۱۶) تلاش وتعبیر (۱۷) فسانۂ عجائب (۱۸) باغ و بہار (۱۹) ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی (۲۰) دہلی کی آخری شمع (۲۱) تفہیم (۲۲) انشا اور تلفظ (۲۳) عبارت کیسے لکھیں (۲۴) انشاے غالب (۲۵) مثنوی گلزارِ نسیم (۲۶) قطعے اور رباعیاں (۲۷) مثنویاتِ شوق (۲۸) تدوین، تحقیق، روایت (۲۹) مثنوی سحرالبیان (۳۰) املاے غالب (۳۱) انتخابِ نظیر اکبرآبادی (ہندی) (۳۲) مصطلحاتِ ٹھگی (۳۳) کلیاتِ جعفر زٹلی (۳۴) کلاسکی ادب کی فرہنگ (۳۵) گنجینۂ معنی کا طلسم (جلد اول) (۳۶) گنجینۂ معنی کا طلسم (جلد دوم) (۳۷) گنجینۂ معنی کا طلسم (جلد سوم)۔

ڈاکٹر ابراہیم افسر کی کتاب 'معیار و میزان' دراصل رشید حسن خاں کی مذکورہ کتابوں پر قد آور ناقدین و محققین کے تبصروں اور تجزیوں کا مجموعہ ہے، جن میں عبداللطیف اعظمی، عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر عنوان چشتی، ماہر القادری، مخمور سعیدی، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر اطہر فاروقی، ڈاکٹر نیر مسعود، پروفیسر شمیم حنفی، ڈاکٹر اسلم پرویز، پروفیسر شارب ردولوی، ڈاکٹر ٹی آر رینا، ڈاکٹر شمس بدایونی، پروفیسر ظفر احمد صدیقی اور پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی سمیت بہت سے اہم ناقدین کے تبصرے اور تجزیے شامل ہیں۔ ڈاکٹر ابراہیم افسر کی رشید حسن خاں کے حوالے سے ویسے تو سبھی کتابیں اہم اور نیا اضافہ ہیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن 'معیار و میزان' اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت ہی اہم اور رشید شناسی کے حوالے سے ایک مضبوط ستون کا درجہ رکھتی ہے کیوں کہ اس کتاب میں رشید حسن خاں کی شخصیت، ان کے اصول، منہج، ان کے نظریات، قواعد وضوابط غرض یہ کہ سبھی پر ناقدین و محققین کی مختلف آرا شامل ہوگئی ہیں جو کہ اتفاقی بھی ہیں اور اختلافی بھی، جن کے مطالعے سے قارئین کو خاں صاحب کی شخصیت اور ان کے نظریات کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔ ڈاکٹر ابراہیم افسر نے بڑی عرق ریزی سے مختلف رسائل وجرائد سے چن چن کر ان تبصروں اور تجزیوں کو اکٹھا کیا ہے، اس لیے اس کتاب کی ترتیب پر موصوف علمی و ادبی حلقوں کی طرف سے بجا طور پر شکریے کے مستحق ہیں۔ یہاں پر میں چند محققین کے تبصروں کے اقتباسات نقل کر رہا ہوں جن سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہوجائے گا۔ مثلاً 'اردو املا' کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالحق لکھتے ہیں:

'کتاب اُردو املا کی ایک انسائکلو پیڈیا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ ہر اُردو دوست کی میز پر کتاب حوالہ کی صورت میں موجود ہو خواہ وہ مبتدی ہو یا منتہی، اس گراں مایہ تصنیف کی اساس، نظری نہیں بلکہ عملی ہے۔ اور جن سفارشات پر مصنف نے گفتگو کی ہے، ضرورت ہے کہ ان کی اتباع کی جائے۔ وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ ہم اپنی زبان کی املا کی صورت کی معیار بندی کریں تا کہ ہم اسے زیادہ سے زیادہ سائنٹفک اور آسان بناسکیں اور ان غلطیوں کی اصلاح کریں جو ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ یہ غلطیاں کبھی نا واقفیت اور کبھی کتابت کے راستے سے داخل ہوئیں اور رواج پا گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ لغت نویسوں میں بھی اختلافات پیدا ہوئے۔ رشید حسن خاں کے ان مآخذ کے تجزیے کا حصہ بھر پور بصیرت لیے ہوئے ہے۔' (ص:419)

اسی طرح 'زبان اور قواعد' پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہر القادری لکھتے ہیں:

'پہلے تو خاں صاحب کے حوالے سے لکھا ہے کہ: 'جناب رشید حسن خاں اردو لسانیات کے بادشاہ ہیں، اس فن میں وہ آپ ہی اپنا جواب ہیں، ان کی کئی کتابوں پر 'فاران' میں تبصرہ آچکا ہے، راقم الحروف نے صاحب موصوف کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی تحقیق و تدقیق سے اہلِ نظر روشنی حاصل کرتے ہیں۔' اس کے بعد کتاب کے بارے میں بعض مقامات سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: 'بعض ایسے مقامات بھی نظر سے گزرے جہاں فاضل مصنف کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ 'جسارت' اصلاً بہ فتحِ اول ہے، بول چال میں بہ کسرِ اول آتا ہے اس لفظ کی دونوں حرکات کو مان لینا چاہیے۔ (302) 'جسارت کے 'ج' کے موافق بولنے کی تاکید کی ہے۔ حالانکہ یہ ایسے الفاظ ہیں کہ اگر ان کو اصل زبانوں کے مطابق استعمال کیا جائے تو اجنبیت کا شدید احساس ہوگا بلکہ یہ محسوس ہوگا کہ بولنے والا تازہ وارد ہے۔' (ص:188)

تبصرے کے آخری پیراگراف میں ماہر القادری لکھتے ہیں:

'زبان اور قواعد' کوئی شک نہیں اپنے موضوع پر بلند پایہ تحقیقی کتاب ہے جسے پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور زبان وقواعد کے نئے نئے گوشے ذہن وفکر کے سامنے آتے ہیں۔ جناب رشید حسن خاں نے جس ریاضت، دیدہ وری اور ذہانت کے ساتھ کتاب لکھی ہے اس پر وہ اردو دنیا کی طرف سے تحسین وستایش کے مستحق ہیں، اس معرکہ آرا کتاب سے طلبہ ہی نہیں اہلِ علم استفادہ کریں گے اور اس سے سند لی جائے گی۔' (ص:291)

اسی طرح معروف نقاد ڈاکٹر گیان چند جین نے 'انتخابِ ناسخ' کے مقدمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

'ابھی تک اس سلسلے کی کتابوں میں زیادہ توجہ متن پر ہوتی تھی۔ مقدمہ نسبتاً سرسری ہوتا تھا جو عموماً چار پانچ یا دس بارہ صفحوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ انتخابِ ناسخ اس مفید سلسلے کی پہلی کتاب ہے جس پر 231 صفحوں کا سیر حاصل مقدمہ ہے۔ یہ مقدمہ تنقید اور تحقیق دونوں اعتبار سے معرکہ آرا ہے۔ رشید حسن خاں اب تک محقق کی حیثیت سے مشہور تھے، اس مقدمے میں انھوں نے تنقید کی داد بھی دی ہے اور حق یہ ہے کہ حق ادا کردیا ہے۔' (ص:310)

گیان چند نے ایک جگہ 'گلزار نسیم' پر تبصرہ کرتے ہوئے خاں صاحب کے حوالے سے لکھا ہے: خدائے تدوین رشید حسن خاں نے 'فسانۂ عجائب' اور 'باغ و بہار' کے بعد اپنا تیسرا اعجاز گلزارِ نسیم کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ان کا ہر شاہ کار خود انہی کے کاموں کی نظیر ہوتا ہے، کسی دوسرے مرتب کی مجال نہیں کہ ان کے آس پاس بھی پھٹک سکے، اردو میں ان کے کاموں کی ہم پایہ صرف ایک اور تدوین 'دیوانِ غالب' (نسخۂ عرشی) ملتی ہے، اس کی بنا پر میں مولانا عرشی کو تدوین کا معلمِ اول اور رشید حسن خاں کو معلمِ ثانی قرار دوں گا۔ رشید حسن خاں بلاشبہ اس وقت ہندو پاک میں اردو کے سب سے بڑے محقق ہیں۔' (ص:338)

ڈاکٹر نیر مسعود نے 'فسانۂ عجائب' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

'اس کی شہرت کا آغاز اس کی ترتیب کے آغاز کے ساتھ ہی ہوگیا تھا۔ اُردو تحقیق کی عام روش سے رشید حسن خاں کو سخت شکایتیں ہیں اور انھوں نے بعض محققوں کے مرتب کیے ہوئے کلاسیکی متون کی بے دردی سے چیر پھاڑ کی ہے۔ اس لیے یہ خبر خاصی دلچسپی کے ساتھ سنی گئی تھی کہ اب رشید حسن خاں خود ایک کلاسیکی متن، اور وہ بھی فسانہ عجائب' کا سا خطرناک متن، مرتب کر رہے ہیں۔ یہ تجسس پیدا ہونا فطری تھا کہ رشید حسن خاں متن کی تحقیقی تدوین کے جس معیار کا دوسروں سے مطالبہ کرتے ہیں اسے خود کہاں تک قائم رکھ پاتے ہیں۔ اس اڈیشن کی اشاعت کے بعد یہ بات بلا تامل کہی جاسکتی ہے کہ انھوں نے اپنی تنقیدی اور احتسابی تحریروں میں تدوینِ متن کے جس مثالی نمونے کا تصور پیش کیا تھا، عملاً اس سے بھی کچھ بہتر نمونہ پیش کر دیا ہے، اور اس بات کا اعتراف کرنے میں بھی تامل نہ ہونا چاہیے کہ ابھی تک اُردو نثر کا کوئی متن اس شان کے ساتھ مرتب نہیں ہوا تھا۔' (ص:472)

زیرِ تعارف کتاب (معیار و میزان) کے آغاز میں پروفیسر شمیم حنفی، پروفیسر مجاور حسین، پروفیسر مرزا خلیل بیگ اور جناب نامی انصاری کی مختصر آرا شامل ہیں جو خاں صاحب کی شخصیت اور فن کو اجاگر کر رہی ہیں، علاوہ ازیں حافظ صفوان محمد چوہان اور ڈاکٹر وسیم رضا کے کلماتِ تحسین ڈاکٹر ابراہیم افسر کی رشید شناسی کی طرف مشیر ہیں۔ بعدۂ کتاب کے مرتب ابراہیم افسر صاحب کا تفصیلی مقدمہ شامل ہے جس میں کتاب کے سبھی گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے نیز سبھی تبصروں کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مرتب نے رشید حسن خاں کے احوال و کوائف بھی بیان کیے ہیں اور 'شخصیت' کے عنوان سے خاں صاحب کے عادات و اطوار اور ان کی کھیلوں سے دل چسپی وغیرہ کی تفصیل بھی سامنے آگئی ہے اور ان سب کے علاوہ کتاب میں ڈاکٹر ابراہیم افسر کے دو معیاری تبصرے بھی شامل ہیں۔ بہر حال! کتاب ہر لحاظ سے بہت ہی معیاری ہے۔

◆◆

بقیہ: مسلم شمیم اپنی شخصیت و شاعری کے تناظر میں

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

مذکورہ شعر میں بساط، مہرہ اور خانہ یعنی شطرنج کی تین علامتوں کا استعمال کر کے جہاں شعر کو وسعت دی گئی، وہیں مصرعۂ اولیٰ سے شعر کو ذو معنی اور تہ دار بنا دیا گیا ہے۔ علامت کے استعمال کی دوسری مثال ہے:

میرے احباب جب آئیں گے ہوا کی زد پر
مجھ کو معلوم نہیں کون کدھر جائے گا

یہاں لفظ ہوا کے استعمال سے شعری رمزیت میں اضافہ ہو گیا ہے، اس سے حالات کا رخ رشتوں کی ناپائداری اور حرص وہوس کچھ بھی مراد لے سکتے ہیں۔

مسلم سلیم نے اپنے 45 برس کے شعری سفر میں جو نظمیں اور غزلیں کہیں اُن کا بیشتر حصہ قاری کو دعوتِ فکر دیتا ہے:

اپنی تقدیر میں چھوٹا ہی سا گھر لکھا تھا
وہ کوئی جاگ گیا، آؤ چلو سو جائیں
پہلے مرنے کا کوئی خوف نہیں تھا مجھ کو
تم کو پایا ہے تو اندیشۂ جاں رہتا ہے

ایک شاعر سائنس داں کی طرح 'نامعلوم' کو معلوم بنانے کا جتن نہیں کرتا بلکہ معلوم سے معلوم تک کا سفر طے کرتا ہے لیکن جب سے غالبؔ نے شاعری کو معنی آفرینی کا نام دیا ہر شاعر معنی کی جستجو میں کھو گیا ہے لیکن مسلم سلیم نے جب یہ کہا:

وہ دیکھنے میں اب بھی تناور درخت ہے
حالاں کہ وقت کھود چکا ہے جڑیں تمام

دھوپ میں دیوار بھی تھی، کس کو تھا اس کا خیال
استفادہ سایۂ دیوار سے سب نے کیا

ترے خلوص کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
ذرا ٹھہر یہ تری آستین میں کیا ہے

تو وہ اپنے لب ولہجہ اور عصری حسیت کی بنا پر اوریجنل شاعر نظر آتے ہیں۔ اُن کے یہاں مضامین کی ندرت اور مشاہدے کی چمک بیک وقت جلوہ گر ہے، آج وہ ہمارے درمیان موجود نہیں تو اُن کے لیے یہی دُعا دل سے نکلتی ہے کہ باری تعالیٰ اُن کی حسنات کو سیأت پر غالب فرما کر کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے (آمین)

عارف عزیز
20- گھاٹی بھڑ بھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob. No. 9425673760

بقیہ: پروفیسر ظفر احمد صدیقی: چند یادیں اور ملاقاتیں

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

تھا اور گھر سے اسے کم پیسے ملتے تھے، جب یہ بات ظفر صاحب کو معلوم ہوئی تو انھوں نے اسے زبردستی سائیکل خریدنے کے لیے پیسے دے دیے۔ اس بات پر بھی وہ نظر رکھتے تھے کہ لائبریری میں کس طالب علم نے کتنا وقت گزارا اور وہ اپنے موضوع کو لے کر کتنا سنجیدہ ہے۔ کلاس میں بھی ظفر صاحب متن پڑھاتے تھے اور ایک ایک لفظ کی وضاحت کرتے جاتے تھے۔ بچوں کے سوالات کا شفقت آمیز لہجے میں جواب دیتے تھے اور ان سے مزید پڑھنے کی فرمائش بھی کرتے تھے۔ ایک استاد کی حیثیت سے ظفر صاحب کے طلبہ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔

مہ جبیں نے مجھے بتایا کہ اس کی تحقیق مکمل ہو گئی ہے اور ظفر صاحب نے پوری تحقیق قسطوں میں پڑھی ہے اور وہ مطمئن ہیں۔ مجھے بے انتہا خوشی ہوئی میں نے ظفر صاحب اور مہ جبیں کو فون پر مبارکباد پیش کی۔ اسی دوران کورونا بھی اپنے عروج پر تھا، مجھے خبر ملی کہ ظفر صاحب بیمار ہو گئے ہیں تشویش فطری تھی، میں نے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو کسی خاتون نے فون اٹھایا اور بتایا کہ اب ظفر صاحب کی طبیعت پہلے سے بہتر ہے دعا کیجیے۔ کسی حد تک تسلی ہو گئی مگر دو دن بعد ہی اطلاع ملی کہ ظفر صاحب ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے، سخت رنج اور افسوس ہوا۔ میں نے مہ جبیں کو ظفر صاحب کا پُرسہ دیا۔ مہ جبیں کے مقالے پر ظفر صاحب کے دستخط رہ گئے تھے۔ ان کی وفات کو دو سال سے اوپر ہو گئے ہیں مگر ابھی تک مہ جبیں کا مقالہ یونیورسٹی اور ڈپارٹمنٹ کے تکنیکی مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ اب شاید شعبۂ اردو میں کوئی دوسرا ظفر احمد صدیقی نہیں جو طالب علموں کے مسائل پر اتنی ہمدردی سے غور کر سکے اور انھیں حل کرنے کی کوشش کرے۔

ظفر صاحب کے انتقال کے بعد ان کی دو کتابیں منظر عام پر آئیں۔ پہلی کتاب اردو قصائد پر اب تک شائع ہونے والی کتابوں میں لاجواب کتاب ہے۔ دوسری نظم طباطبائی کے شرح دیوان غالب پر انھوں نے جس طرح عالمانہ حواشی لکھے ہیں وہ بھی تحقیق کی دنیا میں یاد رکھنے والا کارنامہ ہے کہ متن کو کیسے پڑھا جاتا ہے مگر یہاں بھی وہی عالمانہ شان وانکساری موجود ہے جو ظفر صاحب سے مخصوص ہے۔ اتنا تحقیقی کام کرنے کے باوجود ظفر صاحب میں بلا کی انکساری تھی۔ وہ بھی نیر مسعود کی طرح اپنی تعریف پر شرمندہ سے ہو جاتے تھے اور فوراً موضوع بدلنے کی کوشش کرنے لگتے تھے۔ افسوس ہوتا ہے کہ دھیرے دھیرے علی گڑھ کا شعبۂ اردو جو کبھی اپنے اساتذہ کی وجہ سے پورے ہندستان میں مشہور تھا، اب بھی مجھے یقین ہے کہ اساتذہ اپنے طالب علموں کا ویسا ہی خیال رکھتے ہوں گے جیسا قاضی عبدالستار، شہر یار، قاضی برادران اور ظفر احمد صدیقی خصوصاً رکھتے تھے۔ بدقسمتی سے سراج اجملی کو چھوڑ کر باقی اساتذہ سے میں زیادہ واقف بھی نہیں ہوں، اس لیے کسی بھی طرح کی رائے رکھنے کا اہل بھی نہیں ہوں مگر گزرے ہوئے دن بہت یاد آتے ہیں۔ پروفیسر سراج اجملی انتہائی شریف ہیں ان کے استاد مغیث الدین فریدی صاحب بھی ان کی صلاحیتوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک زمانے میں مَیں شافع قدوائی کے گھر رک جاتا تھا اور مغرب کے بعد اسٹاف کلب میں خاصی رونق رہتی تھی۔ قاضی افضال، قاضی جمال اور خورشید احمد صاحب پابندی سے آتے تھے اور چائے کے ساتھ ادب کے مختلف موضوعات پر دیر تک گفتگو ہوتی رہتی تھی یہ سب ماضی کی باتیں ہیں ہم سب یا تو مصروف ہو گئے ہیں یا شاید تھک گئے ہیں اب وہ علی گڑھ کی رونقیں صرف ماضی کی یادوں میں محفوظ ہیں اور بس۔

شعیب نظام
105/591، حافظ حلیم کمپاؤنڈ
بھنا ناپوروا، چمن گنج، کان پور-228001
Mob.8960416841

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروف تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموز اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس کھیا	300/-
میاں من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میری خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکم سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیات زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخن افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائع بابر	ظہیر الدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخاب غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغ گل سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمین وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ وآثار دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-

پروفیسر ظفر احمد صدیقی

چند یادیں اور مُلاقاتیں

شعیب نظام

دہلی کا ایک سمینار جس کی صدارت شمس الرحمٰن فاروقی صاحب فرمارہے تھے۔ ظفر احمد صدیقی صاحب ڈائس پر آتے ہیں اور تقریباً دو منٹ تک یہ بتاتے رہتے ہیں کہ میں نے فاروقی صاحب سے کیا کیا سیکھا، ابھی ظفر صاحب فاروقی صاحب کی تعریف ہی کررہے تھے کہ فاروقی صاحب اپنی کرسی سے اٹھ کر ڈائس کی طرف آئے اور ظفر صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مائک سے الگ کردیا اور فرمایا کہ ابھی تک ظفر صاحب غلط بیانی سے کام لے رہے تھے اور پھر انھوں نے ظفر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ مجھے جب عربی میں کسی لفظ کے معنی میں شبہ ہوتا ہے تو میں ظفر سے رجوع کرتا ہوں اسی طرح فارسی کی عبارت یا اشعار میں اگر مجھے کوئی الجھن محسوس ہوتی تو میں ان ہی سے رابطہ قائم کرتا ہوں اور ان سے تسلی بخش جواب مل جاتا ہے۔ انھوں نے ظفر صاحب سے پوچھا کہ عربی فارسی کیا میں نے آپ کو سکھائی ہے شبلی پر اتنا شاندار کام آپ کا ہے مگر آپ اتنی دیر سے غلط بیانی سے کام لے رہے تھے۔ یہ تھا دو بڑے آدمیوں کا مکالمہ۔ ظفر صاحب کی عزت میرے دل میں پہلے سے زیادہ بڑھ گئی اور فاروقی صاحب کا یہ اعتراف بھی انھیں عام انسانی سطح سے اور بلند کردیتا ہے۔

میں نے شبلی پر ظفر صاحب کی تحریریں دیکھی ہیں، وہ لفظوں کے برتنے میں بہت محتاط تھے مگر جو کچھ بھی انھوں نے لکھا ہے بہت سوچنے سمجھنے کے بعد لکھا ہے اور جس سے ان کا مطالعہ اور گہری تحقیقی چھان پھٹک کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے۔

میرا علی گڑھ برابر جانا ہوتا تھا پروفیسر قاضی جمال حسین کے کمرے میں ظفر صاحب سے ملاقاتیں ہوتی تھیں لیکن زیادہ گفتگو جمال بھائی سے ہوتی تھی کیوں کہ میں انھیں تقریباً تیس برس سے جانتا ہوں، اس لیے زیادہ تر گفتگو جمال بھائی سے ہوتی رہتی تھی۔ مجھے ظفر صاحب اس زمانے میں خاصے کم آمیز محسوس ہوئے تھے۔

ایک بار علی گڑھ سے دہلی بذریعۂ بس ریختہ کے پروگرام میں شرکت کرنے جارہا تھا، تھوڑی دیر میں پروفیسر سراج اجملی اور ظفر احمد صدیقی صاحب بھی سوار ہوئے۔ سراج صاحب سے میری بے تکلفی تھی میں نے ان سے کہا کہ جناب آپ کی صورت میرے ایک دوست سراج اجملی صاحب سے خاصی ملتی ہے اور ہم لوگ ہنسنے لگے، اس میں ظفر صاحب بھی شریک ہوگئے۔

ایک بار میں جمال صاحب کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، ظفر صاحب بھی موجود تھے۔ ظفر صاحب سے ملنے ان کی ایک ریسرچ اسکالر لڑکی آئی۔ ظفر صاحب نے میرا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ یہ مہ جبیں خان ہے اور نیّر مسعود صاحب پر پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ لکھ رہی ہیں اگر ممکن ہو تو آپ اس کی مدد کردیجیے گا۔ میں نے مہ جبیں کو اپنا فون نمبر دے دیا مجھے بہت خوشی ہوئی کہ نیّر مسعود پر ظفر صاحب کی نگرانی میں کوئی لڑکی پی ایچ ڈی کررہی ہے مگر بہت سے ریسرچ اسکالروں سے مل کر میرا تجربہ اچھا نہیں تھا۔ ایم اے کرنے کے بعد سنجیدگی سے سوچے سمجھے بغیر طالبِ علم موضوع کا انتخاب کرلیتے ہیں مگر کانپور واپس آنے کے بعد مہ جبیں سے ایک دو بار ان کے موضوع کے حوالے سے گفتگو ہوئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ لڑکی خاصی سنجیدہ ہے اور خاصا کام مکمل کرچکی ہے اس کو جو چیزیں مطلوب تھیں وہ میں نے فراہم کردیں۔ اس کا موضوع تھا 'نیّر مسعود کی غیر افسانوی تحریریں'۔ نیّر مسعود صاحب ایک بڑے محقق کے طور پر اردو کے سنجیدہ حلقوں میں اپنی پہچان بنا چکے تھے، رجب علی بیگ سرور اور میر انیس پر ان کا بہترین تحقیقی کام سامنے آچکا تھا۔ دھیرے دھیرے یوں ہوا کہ مہ جبیں کو میں نے اپنی بیٹی بنالیا۔ وہ عام لڑکیوں سے مختلف اور اپنے کام کو لے کر خاصی سنجیدہ تھی، ایسے طالبِ علم اب کمیاب ہوگئے ہیں۔

نیّر مسعود صاحب کے انتقال کے کئی برسوں بعد میں نے لکھنؤ میں ان پر ایک سمینار کا انعقاد کیا جس میں شمس الرحمٰن فاروقی، سید محمد اشرف، پروفیسر خالد جاوید، فرحت احساس اور خورشید اکرم اور علی گڑھ سے پروفیسر قاضی افضال حسین، قاضی جمال حسین، صغیر افراہیم، سیما صغیر، شافع قدوائی اور سراج اجملی شریک ہوئے۔ مگر نا کسی دوست نے نشاندہی کی اور نا میرے ذہن میں ظفر احمد صدیقی کا نام پتا کیوں نہیں آیا اور نہ مہ جبیں کو ہی میں نے اس پروگرام میں مدعو کیا۔ پروگرام دو سیشن میں صبح ٹھیک دس بجے شروع ہوکر شام چھے بجے تک چلتا رہا درمیان میں کھانے کا وقفہ تھا۔ سمینار کی کامیابی سے ہم سب بہت خوش تھے لکھنؤ سے پروفیسر انیس اشفاق، پروفیسر نور فاطمہ، شارب ردولوی اور علی گڑھ سے معید الرحمان بھی سیمینار میں شریک تھے۔ سمینار کے کئی مہینوں کے بعد میرا علی گڑھ ڈپارٹمنٹ کے ایک مشاعرے میں جانا ہوا تو دن کو میں اردو ڈپارٹمنٹ چلا گیا۔ جمال صاحب سے سیمینار کی کامیابی پر مبارک باد وصول کرنے کے بعد ہم لوگ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں ظفر صاحب بھی آگئے، تھوڑی دیر گفتگو میں شریک رہنے کے بعد انھوں نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا کہ شعیب صاحب آپ سے ایک شکایت ہے میں حیرت زدہ ان کا منہ دیکھ رہا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ نے نیّر مسعود صاحب کے سمینار میں مجھے مدعو نہیں کیا۔ میں ان کے اس جملے پر بہت شرمندہ ہوا اور مجھے اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ میں نے ظفر صاحب سے معذرت کرلی اور دیر تک سوچتا رہا کہ ظفر صاحب کا نام اگر میں بھول بھی گیا تھا تو علی گڑھ کے کسی دوست نے کیوں نہیں یاد دلایا اور نہ ہی مجھے مہ جبیں کا نام یاد رہا۔

اس کے کچھ دن کے بعد ریختہ کے پروگرام میں ظفر صاحب سے دوبارہ ملاقات ہوئی وہ بہت خوش اخلاقی سے ملے۔ وہ سراج اجملی صاحب کے ساتھ کسی گفتگو میں شریک ہونے آئے تھے اور میں ریختہ کی ایک نشست میں شرکت کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ ہم لوگ مشاعرہ سننا چاہتے تھے، اس لیے مشاعرے سے پہلے ہال میں غالب پر ایک ڈراما اسٹیج کیا جارہا تھا۔ میں نے ظفر صاحب سے کہا کہ آیئے ڈراما بھی دیکھ لیتے ہیں اور مشاعرے کے لیے اپنی اپنی کرسیوں پر قبضہ بھی کرلیتے ہیں کیوں کہ مشاعرے میں بہت بھیڑ ہوتی ہے۔ سراج اجملی اور ظفر صاحب تیار ہوگئے اور ہم لوگ اگلی صف میں بیٹھ کر ڈراما دیکھنے لگے۔ ظاہر ہے کہ ڈراما ایک خیالی کہانی پر مشتمل تھا۔ خیر ڈراما ختم ہوا، میں نے ظفر صاحب سے کہا کہ ڈرامے کی روشنی میں اپنی تحقیق درست کرلیجیے گا۔ ظفر صاحب ہنسنے لگے، اس کے بعد ہم لوگوں نے مشاعرہ سنا۔ دھیرے دھیرے مجھے پتا چلا کہ ڈپارٹمنٹ میں عربی اور فارسی کے کسی لفظ یا تحریر کے متعلق اگر کسی پروفیسر کو کوئی شبہ ہوتا تو وہ بلا جھجک ظفر صاحب سے رجوع کرتا۔

علی گڑھ آنے سے پہلے ظفر صاحب بنارس ہندو یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے۔ قاضی جمال حسین نے مجھے بتایا کہ جب بنارس میں اسامی کا اعلان ہوا تو ظفر صاحب نے زبردستی مجھ سے بھی ایک فارم بھروا دیا، بعد میں ظفر صاحب کا تقرر ہوگیا تو صدرِ شعبہ پروفیسر حکم چند نیّر نے ظفر صاحب سے کہا تھا کہ آپ نے جمال کا فارم بھروا کر اپنے لیے مصیبت کھڑی کرلی تھی۔ ظفر صاحب نے اس پر جواب دیا تھا کہ ہم دونوں ضرورت مند تھے، اس لیے قاضی جمال کا تقرر ہوجاتا تب بھی مجھے اتنی ہی خوشی ملتی۔ یہ تھے ہمارے ظفر احمد صدیقی صاحب۔

مہ جبیں سے مجھے معلوم ہوا کہ ظفر صاحب اپنے زیرِ نگرانی ریسرچ کرنے والے طلبہ کی ایک ایک سطر وہ خود دیکھتے تھے اور اس پر اپنے مشورے دیتے رہتے تھے۔ طالبِ علموں کے مسائل سے بھی انھیں دل چسپی رہتی تھی۔ ایک لڑکا جو یونیورسٹی سے خاصی دوری پر رہتا ... (بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***